[illegible]

از افادات

حضرت سید العلما، فخر المحققین

مولانا سیّد علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ

Haji Dawood Nasir Library
M. Syed Mohd
Dehlavi
KARACHI-18.

MAAB 1431
maablib.org

امامیہ مشن کی پینتیسویں دینی خدمت

تدوین حدیث

یہ وہ مضمون ہے جو جناب سید العلما مدظلہ سرپرست امامیہ مشن نے "مسلم اکاڈیمی" لکھنو کے جلسہ منعقدہ ۱۶ر فروری ۱۹۳۵ء میں جناب میرزا محمد عسکری صاحب بی اے کے دولتکدہ پر پڑھا تھا اور پھر رسالہ "حقائق" میں شایع ہوا اب اس کو مستقل کتاب کی صورت میں شایع کیا جاتا ہے

خادم ملت
ابن حسین نقوی
سکریٹری امامیہ مشن لکھنو
جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

"علم حدیث کی تدوین" ایک گرانقدر اور بسیط موضوع ہے جس کے لیے محدود صفحات کی تصنیف یا محدود وقت کی تقریر کسی طرح تمام شعبوں پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ مسلمان یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ بگوش اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے عقیدہ مند یقیناً قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ سمجھتے ہیں اور اسی لیے اُنھوں نے بلا تفریق مسلک و مشرب ہمیشہ قرآن کے بعد حدیث کی خدمت ضروری سمجھی اور اُس میں پوری سعی و کوشش صرف کی ہے۔

آپس کے ذاتی نظریوں کے اختلاف سے قطع نظر کر کے جب مخلوط و مشترک اسلامی خدمات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدمت سنت اور حدیث کی تدوین کا فرض وہ ہے جس کو دونوں ہی فریق نے اپنے اپنے معیار نظر کے مطابق بڑی بلند آہنگی اور عرق ریزی سے انجام دیا ہے

اور دوس میں وہ اپنا خون پسینہ ایک کرتے رہے ہیں اور اس لیے اس موضوع کو اگر مشترکہ اسلامی حیثیت سے تحریر کیا جائے تو وہ یقیناً ایک بہت بڑی مبسوط کتاب کا طالب ہے جس کے لیے مسلم اکاڈیمی کے متعدد جلسے بھی کافی نہیں ہو سکتے پھر بھلا مجھ میں کہاں ہمت تھی کہ اس موضوع پر تقریر کا مسلم اکاڈیمی کے جلسہ میں وعدہ کرلیتا۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس موضوع کا ایک شعبہ یعنی "علم حدیث کی تدوین" کے متعلق علمائے اہلسنت و جماعت نے ہر دور زمانہ میں کیا خدمتیں انجام دی ہیں میرے محترم کرم فرما عالیجناب مولانا عنایت اللہ صاحب افسر مدرس مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نہایت بسط و تشریح اور توضیح و تفصیل کے ساتھ بیان فرما چکے ہیں جس سے زیادہ نہ میں بیان کر سکتا ہوں اور نہ ضرورت باقی ہے اسلیے میرے متعلق جو فرض رہ جاتا ہے وہ صرف دوسرے شعبہ کے متعلق کہ "تدوین حدیث" میں شیعہ فرقہ نے کیا خدمات انجام دیے اور تدوین حدیث کی تاریخ اس فرقہ کے روایات کے لحاظ سے کیا ہے اور کس کس دور میں اس میں کیا کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

واضح ہو کہ یہ موضوع کوئی اختلافی یا مباحثانہ نہیں ہے تاکہ میں بیان واقعات میں کسی فریق مقابل کے کتب کا پابند ہوں اور انھیں ماخذ بنانے پر مجبور رہوں بلکہ یہ ایک تاریخی اور واقعاتی تبصرہ ہے اور اس میں مشترک اسلامی کتب سے

مدد لی جائے گی جن میں خود فرقہ شیعہ کے کتب رجال و روایت بھی داخل ہیں

حدیث کے معنی

ہماری اصطلاح میں وہ روایت جس میں قول معصوم. فعل معصوم یا تقریر معصوم کی نقل کی گئی ہو حدیث کہلاتی ہے. قول و فعل کے معنی ظاہر ہیں تقریر کے معنی ہیں کسی دوسرے کے کسی قول یا فعل پر جو معصوم کے سامنے ہوا معصوم کا راضی رہنا اور رضا مندانہ سکوت کرنا۔

یہ بیشک حجت اور واجب العمل ہے۔

ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی- ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا- اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

قرآن مجید کے بعد حدیث کے استناد و اعتبار کے قوی دلائل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی قرآن مجید کے ساتھ تمسک بعترت کا حکم دے کر حدیث کے استناد و اعتبار کا مکمل ثبوت ہے۔

بیشک حدیث اگر متواتر اور قطعی طریقہ سے مثل قرآن مجید کے پہونچے

تو وہ بھی قطعی طور پر واجب العمل ہے اور اُس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن چونکہ احادیث مثل قرآن مجید کے تواتر کی حد تک پہونچ نہ سکے اور اکثر بطریق آحاد پہونچے جن میں اگر معنوی یا اجمالی حیثیت سے تواتر ہے بھی تو لفظی حیثیت سے نہیں ہے اور اکثر ایسے ہیں کہ جن میں اُس قسم کا تواتر بھی نہیں ہے اس لیے کسی خاص حدیث پر عمل اوس درجہ پر نہیں سمجھا جا سکتا جس درجہ پر قرآن مجید کے اوپر عمل اور نہ کسی حدیث کی مخالفت اُس طرح کفر سمجھی جا سکتی ہے جس طرح قرآن مجید کی مخالفت حدیث کے مضمون کا انکار اگر اُس مضمون کو حدیث رسول اللہ ؐ تسلیم کرتے ہوئے ہو تو یقیناً موجب کفر ہے لیکن اگر کسی معتبر سے معتبر حدیث کو قول آنحضرتؐ تسلیم ہی نہ کیا گیا ہو تو وہ انکار کتنا ہی غلط اور کمزور کیوں نہ ہو لیکن موجب کفر نہیں سمجھا جا سکتا۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ اُسکی کسی آیت کا انکار اس طرح سے کرنا بھی موجب کفر ہے کہ وہ قول خدا ہے اور میں تسلیم نہیں کرتا اور اس طرح سے بھی کہ وہ قول خدا نہیں ہے لہذا میں تسلیم نہیں کرتا۔

بے شک دلالت یعنی معنی الفاظ کے تعیین میں اختلاف، اس کا دروازہ دونوں میں کھلا ہوا ہے اور وہی بڑے سے بڑے خلاف قرآن و حدیث خیالات کو کفر کی زد سے علیحدہ کر دینے کا ذمہ دار ہے۔

بہر حال سند کے اعتبار سے قرآن و حدیث کے اس افتراق نے بتا

باعتبار احکام عظیم تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ ورنہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن و حدیث ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں اور ان میں سوائے تقدم و تاخر کے کوئی تفرقہ نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے بھی اسی حفظ مراتب کے لحاظ کے ساتھ قرآن و حدیث کے متعلق خدمت انجام دی ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جیسا کہ مولانا عنایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے خود قرآن موجودہ حالت میں یعنی مدوّن نہ تھا تو حدیث کا کیا ذکر۔

حضرت کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت کا احساس کیا گیا وہ قرآن مجید کی جمع و تالیف اور ترتیب و تدوین تھی جس کو ذمہ دار اسلامی ہاتھوں نے ہر مقدم سے مقدم کام پر مقدم کیا اور اس خدمت کو انجام دیا۔ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ تھا۔ حدیث کی جمع و تالیف کے متعلق صحابۂ کرام میں باہم اختلاف رائے ہو گیا۔ اس اختلاف اور اس کے منشاء کو جناب مولانا عنایت اللہ صاحب کے الفاظ میں تحریر کرتا ہوا آگے بڑھتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ " صحابہ مذہب میں بدعت سے اس قدر بچتے تھے کہ ادنی ادنی باتوں میں بدعت کو پسند نہیں کرتے تھے، ختنہ کی دعوت میں بلانے کو حضرت ابو ایوب انصاری نے فرمایا کہ حضور انور کے زمانہ میں تو ایسی تقریبوں

ہیں بلا دا نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کی تدوین پر ایک گروہ صحابہ کو سخت اعتراض تھا۔ روایت حدیث پر سزا تک کی نوبت آئی، تدوین احادیث میں تو ایک یہی خرابی کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن جو اس وقت تک موجودہ طور پر مکتوب نہیں تھا اور کلام حضرت رسالت پناہی مخلوط نہ ہو جائیں۔ علاوہ اس کے حضور انور سے اس کی ممانعت بھی مروی ہوئی تھی جیسا کہ مسند امام احمد بن حنبل میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگ بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے کہ ناگاہ حضور انور باہر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا کر رہے ہو تو لوگوں نے عرض کیا کہ جو کچھ حضور سے سنتے ہیں اُس کو لکھتے ہیں حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آخرکار یہ مکتوب ضایع کر دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور ہے کہ اکثار حدیث پر سزا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو والی مقرر فرماتے تو منجملہ دوسرے نصائح کے یہ بھی اُس کو نصیحت فرماتے کہ دیکھو جن لوگوں کے پاس جاتے ہو وہ قرآن پڑھنے میں مصروف ہیں اور شب و روز اپنا وقت تلاوت قرآن میں صرف کرتے ہیں اُن سے زیادہ حدیثیں بیان کر کے اُن کے ذہنوں کو تشویش میں نہ ڈالنا۔ غرضکہ جب روایت حدیث کی یہ صورت ہو تو تدوین و کتابت حدیث کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا کہ احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ تقریباً تمام اصحاب حضرت رسالت نے اس کو پسند کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مہینہ بھر سوچتے رہے اسکے بعد آپ نے سب کو جمع کر کے فرمایا میرا ارادہ تھا جو تم کو معلوم ہے مگر مجھکو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کتاب اللہ کو بالکل ترک کر دو اور یہود و نصاریٰ کے مانند صرف احادیث پر اپنی توجہ مبذول کر دو یعنی اس کا نتیجہ یہ ہو جائے کہ قرآن بھی توریت و انجیل کی طرح دلوں سے جاتا رہے اور تحریف کا شکار ہو جائے۔"

پھر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت عمر ہی کے زمانہ میں جمع حدیث کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی اور تمام صحابہ اس کو جمع کر دینے کی رائے ظاہر کر چکے تھے مگر قرآن کے ساتھ بے توجہی کے خوف نے اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجبوراً باز رکھا تھا اور اس کے بعد ہم کو باوجود تلاش پھر کبھی صحابہ کا جمع کی جانب توجہ کرنا نظر نہیں پڑا۔ اگر کہیں احادیث کو بھی قرآن کی طرح خلفائے راشدین نے مدون کر دیا ہوتا تو یقین کیجئے کہ بہت کچھ کیا بلکہ قرآن کی طرح وہ بھی دست تصرف سے محفوظ ہو جاتے اور باہمی مسلمانوں میں کثیر فرقہ بندیوں کی زائد تر روک تھام ہو جاتی۔ آج احادیث میں جو جو شبہات اور شکوک اسناد

اور الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے پیش آتے ہیں وہ اُن کی تدوین و جمع کے بعد پیش نہیں آ سکتے تھے مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت کر رہی تھی "۔ انتھی کلامہ "۔

برعکس اسکے جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے تمام صحابہ جن میں حضرت علیؑ بھی تھے اُن کو اس نظریہ سے اتفاق نہیں تھا۔

حضرت علیؑ کا مستقل کلام ہے کہ :۔

قیدوا العلم	علمی مطالب قلمبند کرو اور
فی الکتابۃ	قید تحریر میں لاؤ۔

چنانچہ جہاں تک نظر دوڑائی جاتی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی تصنیف حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ملتی ہے جو آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے فرمائی تھی اس کا پتہ صحیح امام بخاری سے چلتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الفرائض باب اثم من تبرأ عن موالیہ

حدثنا	ابراہیم تیمی کی روایت ہے اپنے
قتیبۃ ابن سعید	والد سے کہ حضرت علی فرماتے
قال حدثنا جریر عن الاعمش	تھے ہمارے پاس قرآن کے سوا
حدثنا ابراہیم التیمی عن ابیہ	کوئی کتاب نہیں ہے جسے ہم
قال قال علیؑ ما عندنا	پڑھتے ہوں سوائے اس صحیفہ کے

maablib.org

کتاب نقراہ الاکتاب
الله غیر هذه الصحیفة قال
فاخرجها فاذا فیها اشیاء
من الجراحات واسنان الابل
قال وفیها المدینة
حرم ما بین عیر
الی ثور فمن احدث
فیها حدثا او آوی
محدثا فعلیه لعنة الله
والملئکة والناس
اجمعین لا یقبل منه
یوم القیمة صرف
ولا عدل وذمة
المسلمین واحدة یسعی بها
ادناهم فمن اخفر
مسلما فعلیه لعنة الله
والملئکة والناس اجمعین

حضرت نے اس صحیفہ کو باہر نکالا
تو دیکھا گیا کہ اوس میں کچھ احکام
مختلف اقسام قصاص اور اونٹوں
کے متعلق ہیں اور اسی میں یہ
حدیث ہے کہ مدینہ حرم ہے مقام
غیر سے لیکر مقام ثور تک، جو
شخص وہاں بدعت ایجاد کرے
یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر
خدا ملائکہ اور تمام خلق کی لعنت
ہے۔ اس سے کوئی سفارش،
کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائیگا
اور مسلمانوں کی ذمہ داری سب
کی یکساں ہے جس کو معمولی سے
معمولی شخص ان میں کا پورا کریگا
اور جو شخص کسی مسلمان سے غداری
کرے اس پر خدا ملائکہ در
تمام خلق کی لعنت ہو۔ روز

maablib.org

لایقبل عنہ یوم القیامۃ صرف ولا عدل۔	قیامت اُس سے کوئی معاوضہ اور سفارش قبول نہ ہوگی"۔

صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج باب فضل المدینہ میں بھی پانچ طریقوں سے اس کا تذکرہ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری تک اس کتاب کا وجود اہلبیت کے پاس ثابت ہے جس کا پتہ محمد ابن الحسن الصفار کی بصائر الدرجات والی روایت سے چلتا ہے جو عبد الملک سے منقول ہے اُس میں یہ ہے کہ :-

دعا ابو جعفر بکتاب علی فجاء بہ جعفر مثل فخذ الرجل مطویا فاذا فیہ ان النساء لیس لھن من عقار الرجل اذا توفی عنھن شیئ فقال ابو جعفر ھذا واللہ خط علی بیدہ واملاء رسول اللہ الخ	امام محمد باقر نے جناب امیر کی کتاب منگوائی۔ امام جعفر صادق اس کتاب کو لپیٹا ہوا لائے۔ اس میں یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے شوہر کی غیر منقولہ جائداد سے کچھ نہیں ملے گا۔ امام محمد باقر نے فرمایا کہ یہ خدا کی قسم جناب امیر کے قلم کی تحریر ہے اور جناب رسالت مآب کی لکھوائی ہوئی حدیثیں ہیں"۔
رسالہ الشیوطہ	

حضرت ابو رافع جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باختصاص غلام تھے۔ نجاشی نے فہرست اسماء مصنفین شیعہ میں لکھا ہے کہ :-

maablib.org

کلابی رافع مولی رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم کتاب السنن والاحکام والقضایا۔	ابو رافع کی تصنیف سے کتاب سنن و احکام و قضایا تھی۔

اسکے بعد انھون نے اس کتاب کے ابواب کو ترتیب وار درج کیا ہے صلوۃ، صیام، حج، زکوٰۃ اور سب کے آخر میں قضایا، ابو رافع مکۂ معظمہ میں ہجرت کے قبل اسلام لائے تھے اور جب آنحضرتؐ مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے تو یہ مکہ میں رہ گئے تھے، جنگ بدر کے بعد آکر حضرت سے ملحق ہوے اور سب سے پہلے جنگ احد میں شرکت کی پھر ہر لڑائی میں حضرت کے ہمراہ رکاب رہے۔

رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد باوفا غلام نے رسول کی ڈیوڑھی چھوڑنا گوارا نہین کی اور برابر اہلبیت کی صحبت میں رہا۔ جناب امیرؑ کے مخصوصین میں شمار ہوے اور عہد فتنہ کی تمام لڑائیوں میں آپ کے ہمراہ شرکت کی کوفہ کے بیت المال کا خزانہ آپ کے متعلق ہوا اور اسی زمانہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

تاریخ کے لحاظ سے یہ سب سے پہلی کتاب تھی جس میں ابواب کی ترتیب کے ساتھ احادیث درج کئے گئے تھے۔ حضرت ابو عبداللہ سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری بھی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جنھوں نے حدیث کی تدوین میں حصہ لیا۔ ان دونوں بزرگواں کی تصنیف کا تذکرہ ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اور

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی و شیخ ابو العباس نجاشی نے اپنی اپنی کتاب فہرست مصنفین میں کتاب سلمان اور کتاب ابوذر کے نام سے درج کیا ہے اور یہ بھی قدیم اسلامی تصانیف ہیں جن کے قبل تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے افسوس ہے کہ یہ کتابیں اوسی طرح ناپید ہوگئی ہیں جس طرح وہ احادیث کا غیر مدوّن مجموعہ جو عبداللہ ابن عمرو ابن العاص نے جمع کیا تھا اور جس کا تذکرہ مولانا عنایت اللہ صاحب اپنے مضمون میں فرما چکے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا طبقہ تابعین کا ہے جن میں سے ابو رافع کے دونوں بیٹے علی ابن ابی رافع اور عبیداللہ ابن ابی رافع ہیں۔ یہ دونوں بزرگ جناب امیرؑ کے کاتب یعنی منشی دفتر اور اوّل الذکر خازن بیت المال بھی تھے۔

علی بن ابی رافع نے ایک کتاب لکھی جس میں وضو، صلوٰۃ اور تمام ابواب میں ترتیب کے ساتھ حضرت امیرؑ کے اسناد سے احادیث کو جمع کیا یہ کتاب بھی سادات اہلبیت کے پاس دوسری صدی تک موجود تھی اور وہ اوسکو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ موسی ابن عبداللہ ابن حسن کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد سے تشہد کے بارے میں سوال کیا اُنھوں کہا " لاناذرا ابن ابی رافع کی کتاب" جب وہ کتاب لائی گئی تو اونھوں نے وہ مقام نکال کر سائل کو لکھوا دیا۔

اصبغ ابن نباتہ مجاشعی یہ بھی جناب امیرؑ کے مخصوصین میں سے تھے

اُنھوں نے حضرت کا وہ طولانی عہد مالک اشتر کے نام جو نہج البلاغہ حصہ کتب میں موجود ہے نقل کیا اور اُسے قلمبند کر لیا نیز حضرت کی طولانی وصیت جو امام حسنؑ کے نام تھی وہ بھی اُنھی کے ذریعہ سے ہم تک پہونچ سکی سلیم ابن قیس ہلالی، ان کی بھی کتاب مشہور و معروف ہے اُس میں اُنھوں نے حضرت علی، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار اور بہت سے صحابہ سے روایات نقل کئے ہیں اس کتاب کو علماء نے بڑی قدر کی نظر سے دیکھا ہے مشہور متکلم فقیہ شیخ محمد ابن محمد نعمان معروف بہ شیخ مفید نے اپنی کتاب الغیبۃ میں سلیم ابن قیس کی کتاب کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

لیس بین جمیع الشیعۃ	تمام فرقہ شیعہ میں اُن لوگوں میں
ممن حمل العلم و رواہ عن	کہ جنھوں نے علوم آئمہ کا تحمل
الائمۃ خلاف فی ان کتاب	کیا ہے اس امر میں اختلاف نہیں
سلیم بن قیس الھلالی اصل	کہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی ایک
من کتب الاصول التی رواھا	معتبر کتاب ہے اُن قدیم ترین
اھل العلم و حملۃ حدیث	کتابوں میں جن کو حاملان حدیث
اھل البیت و اقدمھا۔	اہلبیت نے روایت کیا ہے

ابن ندیم محمد ابن اسحاق نے "کتاب الفہرست" میں بھی اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

میثم ابن یحیی ابو صالح تمار امیر المومنین کے خواص اصحاب میں سے، ان کی بھی کتاب حدیث میں بڑی بلند پایہ تھی جس سے شیخ ابو جعفر طوسی اور ابو عمرو کشی اور طبری مصنف بشارۃ المصطفیٰ نے اکثر احادیث نقل کیے ہیں۔

میثم تمار سنہ ۶۰ھ میں ابن زیاد کے حکم سے کوفہ میں قتل ہوئے۔

محمد بن قیس بجلی نے بھی ایک کتاب امیر المومنینؑ سے مرویہ احادیث کی تحریر کی جو بقول شیخ ابو جعفر طوسیؒ امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئی۔ اور آپ نے فرمایا:۔

هذا قول علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔	یہ بے شک حضرت علیؑ کے اقوال ہیں۔

اس کتاب کی ابتدا یہ تھی کان یقول اذا صلی قال فی اول الصلوٰۃ

یعلی، ابن مرہ اور عبید اللہ بن حر جعفی کی بھی کتابیں امیر المومنین سے روایات کی کتب رجال میں مذکور ہیں اور ربیعہ ابن سمیع تابعین میں سے تھے ان کی کتاب "زکوٰۃ الانعام" کے متعلق تھی۔ ان کا نجاشی نے طبقہ اولیٰ میں مصنفین کے تذکرہ کیا ہے۔ حارث ابن اعور ہمدانی بھی مشہور مصاحب جناب امیرؑ ہیں جنھوں نے ایک کتاب میں وہ سوالات جمع کیے ہیں جو کسی یہودی نے جناب امیر سے کیے تھے اور حضرت نے اُن کا جواب دیا تھا۔

یہ لوگ تمام وہ ہیں جو طبقہ متقدمین تابعین میں محسوب ہیں جن میں نہیں کہا

جا سکتا کہ کس کی تصنیف کا زمانہ مقدم ہے اور کس کا موخر۔

اس زمانہ میں یہ وہ کتابیں ہیں جن کے علاوہ کوئی دوسرے مصنفات علم حدیث میں تمام عالم اسلامی کے اندر جستجو سے بھی دستیاب نہیں ہوتے۔

اسکے بعد کے طبقہ (یعنی پہلی صدی کے اواخر میں) تو تدوین حدیث کی ضرورت کا احساس عام طور سے ہو گیا تھا چنانچہ خلیفہ صالح بنی امیہ عمر ابن عبد العزیز نے حدود سلطنت میں جو کبار ائمہ موجود تھے اون کو لکھا کہ سُنن حضرت رسالت کو لکھ کر ایک جگہ جمع کرو جس کا تذکرہ مولانا عنایت اللہ صاحب نے فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ " بقول حافظ ابن حجر عسقلانی یہ تدوین حدیث کی اول کوشش تھی جو عمر ابن عبد العزیز کے حصہ میں آئی۔

اس زمانہ میں اہلبیت میں سے امام محمد باقر علیہ السلام کا دریائے علم موجیں مار رہا تھا۔ آپ کی علمی موشگافیاں وہ تھیں کہ تمام عالم اسلامی نے متفق طور سے " باقر العلم " تسلیم کیا۔

علامہ نووی تحریر کرتے ہیں المعروف بالباقر لانہ بقر العلم ای شقہ وفتحہ فعرف اصلہ وتمکن فیہ آپ کے اصحاب میں بڑے بڑے حافظان حدیث تھے جیسے جابر ابن یزید جعفی جن کے متعلق صحیح مسلم[1] میں ہے کہ وہ پچاس ہزار حدیثوں کی روایت کرتے تھے جو سب امام محمد باقر علیہ السلام کے طرق سے حضرت

---

[1] صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور جلد (۱) ص ۱۵

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتی تھیں۔

اور ابان بن تغلب جنھوں نے امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ تین بزرگواروں کے عصر کا ادراک کیا اور خاص امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار حدیثوں کی روایت کی۔

صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں اُن کی روایت سے احتجاج کیا ہے اور شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُن کی وثاقت و اعتبار کی گواہی دیکر اون کے تشیع کے متعلق یہ کہہ کر معذرت کی ہے کہ ان التشیّع فی التابعین وتابعیهم کثیر مع الدّین والورع والصّدق فلو رد حدیث هولاء لذهب جملة من الآثار النّبویة[له]۔

ابان کی ایک کتاب بھی حدیث میں تھی جو معتبر اصول حدیث سے تسلیم کی جاتی تھی۔ اسی طرح ابو حمزہ ثمالی ثابت ابن دینار، ان کی کتاب النوادر، کتاب الزہد، رسالہ حقوق میں بہت سے احادیث کا ذخیرہ تھا، حافظ ترمذی کی کتاب صحیح میں ان سے روایت موجود ہے علماء رجال نے بھی اُن کا تذکرہ کیا ہے۔

زرارہ ابن اعین کے متعلق تو ثابت ہے کہ اُن کا طریقہ ہی یہ تھا کہ جب وہ امام جعفر صادقؑ کے پاس آتے تھے قلم اور دوات اور کتاب اپنے ساتھ لاتے تھے اور جو کوئی مسئلہ پیش آتا اور امام اُسکے متعلق حکم رسالت مآب بیان فرماتے

maablib.org

اُس کو وہ لکھ لیتے تھے۔ کبھی خود سوال کرتے تھے اور اُس کا جواب حاصل کرتے تھے اور اس طرح بڑا ذخیرہ قلمبند صورت میں احادیث کا جمع کر لیا۔

زرارہ، محمد ابن مسلم، برید عجلی یہی ایسے لوگ ہیں جنکے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ :۔

"لولا ھوکاۓ لذھبت احادیث ابی"۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرے والد بزرگوار کے فرمودہ احادیث تلف ہو گئے ہوتے۔

٭ ٭ ٭

برید عجلی کی بھی ایک کتاب حدیث میں تھی جسے اُن سے رواۃ و محدثین نے نقل کیا، امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں اہلبیت کے فیوض علمیہ سے بہرہ مند ہونے والے بڑی کثرت سے ہو گئے تھے۔

شیخ ابو علی طبرسی نے اعلام الوریٰ میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے امام جعفر ابن محمد صادقؑ سے بلا واسطہ نقل احادیث کیا چار ہزار آدمی تھی۔ حافظ ابن عقدہ جو فریقین کے کتب رجال میں بڑی مدح و ثنا کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں انھوں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے کتاب الرجال الذین رووا عن الصادق اور شیخ طوسی نے اکثر کا ان میں سے اپنی کتاب رجال میں تذکرہ کیا ہے۔

وہ کتابیں جو اس وقت سے لے کر امام حسن عسکریؑ کے عہد تک یعنی

ایک صدی کے اندر علم حدیث میں تصنیف ہوئیں چھ ہزار چھ سو کتابیں تھیں
جن کی شیخ حر عاملی نے خاتمہ وسائل الشیعہ کے فائدہ رابعہ میں تصریح کی ہے
لیکن یہ واقعہ ہے کہ علم حدیث ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی مصیبت
میں گرفتار رہا جو غلط واقعات بناتے اور بے اصل حدیثیں تراش کر کسی بڑی
ہستی کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔

جب حضرت رسول اکرمؐ کو فرمانا پڑا "ستکثر بعدی القالة فمن
کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار" تو دوسرے
اماموں کا کیا تذکرہ۔

ائمہ اہلبیت اور اُن سے روایت کرنے والے دیانتدار محدثین کو بھی
ان متقولین یعنی احادیث کی ساخت و ساز کرنے والوں سے بڑی شکایت
تھی اور ائمہ اُنکے متعلق اپنے اصحاب کو متنبہ کر دیتے تھے۔

مشکل یہ تھی کہ شیعیت کے نام لیوا افراد میں بعض غالی اور اماموں کے
متعلق غلط عقیدہ رکھنے والے اشخاص پیدا ہو جاتے تھے جن سے ائمہ اور
اُن کے شیعہ خود برارت کرتے تھے لیکن وہ شیعیت کے نام کو پردہ قرار
دیکر غلط احادیث کی نشر و اشاعت کرتے تھے۔

مغیرہ ابن سعید ایک شخص تھا جس کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے
فرمایا المغیرة بن سعید دسّ فی کتب اصحاب ابی احادیث لم

بجلالت بھا ابی فاتقوا اللہ ولا تقبلوا علینا ما خالف قول ربنا و سنۃ نبینا صلعم

اسی طرح ابو الخطاب ایک شخص تھا غلاۃ میں سے جس پر امام نے نفرین بھی فرمائی تھی۔ اوس نے طرح طرح کی غلط باتیں ایجاد کیں۔

اس صورت حال کے تدارک کی طرف خود ائمہ معصومین اور اُن کے اصحاب مرضیین پورے طور سے متوجہ ہو گئے۔ ائمہ نے احادیث کے معیار بتلانا شروع کیے اختلاف احادیث کی صورت میں مرجّحات بتلائے اور صحیح و غیر صحیح میں تمیز کا طریقہ بتلایا، اصحاب نے یہ اہتمام شروع کیا کہ زیادہ تر امام سے خود جا کر احادیث سُننے لگے جتنی مصنفہ قلمی کتابیں حدیث کی تھیں اُن کو جہاں تک موقع ملتا امام کو دکھلاتے اور اُن سے تصدیق لیتے کہ اس میں سب روایتیں درست ہیں۔ جیسے عبید اللہ ابن علی حلبی کی کتاب جو امام جعفر صادق کے سامنے پیش ہوئی اور یونس ابن عبد الرحمن اور فضل ابن شاذان کی کتابیں جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئیں یا شروع دور کی وہ کتابیں جو خوف معاندین سے راویوں نے زمین کے اندر چھپا دی تھیں بعد والے اصحاب نے امام کے سامنے پیش کر کے اُن کی تصدیق لی اور آپ نے فرمایا حدثوا بھا فانھا حق "ان کے احادیث کی روایت کرو یہ سب درست ہیں۔"

اس چھان بین کے بعد قدماء محدثین نے اُن تمام کتابوں میں سے جو تصنیف ہوئی تھیں چار سو کتابیں چار سو رواۃ کی منتخب کر لیں جن کو

علم و عمل کا دار و مدار قرار دیا وہ کتابیں "اصول اربعمائۃ" کے نام سے مشہور تھیں جو بعد کے زمانہ میں بڑے جوامع حدیث کی تصنیف کا سرمایہ قرار پائیں ان کتابوں میں سے جن کا صدر اول سے لے کر اس وقت تک تذکرہ ہوا موجودہ زمانہ میں صرف کتاب سلیم ابن قیس ہلالی اور بعض "اصول اربعمائۃ" کا وجود باقی ہے جن کو محدث میرزا حسین نوری مصنف مستدرک الوسائل نے بڑے قدیم نسخوں سے نقل کر کے حاصل کیا تھا اور اپنی کتاب مستدرک کا ماخذ بنایا۔ اُن سے پھر آیۃ اللہ آقا سید حسن صدر کاظمینی دام ظلہ مقیم کاظمین اور آقا میرزا محمد طہرانی مقیم سامرہ نے اُن کی نقل حاصل کی اور ان میں سے بعض کی ہم نے بھی نجف اشرف میں نقل حاصل کر لی۔

ائمہ کا دور گذر گیا، غیبت امام کا زمانہ آیا، اب دشواریاں زیادہ پیدا ہو گئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں جو سیکڑوں کی تعداد میں تھیں اُن سب میں اگرچہ احادیث کا تمام ذخیرہ موجود تھا لیکن کثرت کتب کا لازمی نتیجہ انتشار ہے اور اس سے ضیاع و تلف کا اندیشہ یقینی۔

اسی وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ تمام متفرق کتابیں ایک یا چند بڑی کتابوں میں مجتمع ہو جائیں۔ سب سے پہلے ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد ابن یعقوب کلینی رح تھے جنھوں نے چوتھی صدی کے اوائل میں اس خدمت کو انجام دیا اور بیس برس کی مسلسل جفاکشی اور محنت میں کتاب کافی کی تصنیف کی

دیباچۂ کتاب میں سبب تالیف تحریر فرماتے ہوئے صاف ظاہر کیا ہے کہ اس کتاب میں صحیح اخبار جمع کیے جائینگے جو تمام علوم و معارف دینیہ کو شامل اور ہر حیثیت سے کافی ہوں۔ کتاب کافی کا نام بھی انہی الفاظ کی بنا پر "کافی" قرار پایا ہے اور چونکہ اوس میں اصول و عقائد کے احادیث کا ایک حصّہ مستقل اور فروع یعنی مسائل شرعیہ کا حصہ مستقل تھا اس لیے پہلا حصہ "اصول کافی" اور دوسرا حصّہ فروع کافی کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ تمام شیعی جوامع حدیث میں کافی کا درجہ سب سے مقدم مانا گیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسکی ہر ہر حدیث صحیح السند اور قطعی الورود ہے۔ ہم حدیث کی کسی کتاب کو قرآن مجید کی طرح معصوم اور جرح و تعدیل کے میزان اعتبار سے بلند نہیں سمجھتے ہیں۔ کافی کا تقدم و شرف صرف اس اعتبار سے ہے کہ اوس میں نقل روایات میں انتہائی ضبط و اتقان سے کام لیا گیا ہے، سندیں پوری نقل کی گئی ہیں، روایات کے ٹکڑے نہیں کر دیے گئے ہیں۔ روایات میں ایسے تفسیری نوٹ نہیں دیدیے ہیں جو اصل الفاظ حدیث کے ساتھ مشتبہ ہو جائیں۔ پوری سندیں نقل کر دینے کا منشا ہی یہ ہے کہ مصنف نے اپنے اوپر سے ذمہ داری ہٹالی ہے اور ان رواۃ کے حالات و اوصاف کو جانچ لینے کا موقع دیا ہے۔

یہ خیال کہ یہ کتاب امام عصر حضرت امام ثانی عشر کے پاس پیش ہوئی

اور حضرت نے فرمایا کاف لشیعتنا ایک ایسی غلط حکایت ہے جس کا کوئی ثبوت کتب احادیث و رجال میں نہیں ہے چنانچہ محدث نوری نے کتاب کافی کے اعتماد و اعتبار کو انتہا درجہ تک پہونچاتے ہوئے تحریر کیا ہے :۔

لیس غرضی من	میرا مقصد اس سے یہ نہیں
ذلک تصحیح الخبر الشائع	ہے کہ میں اُس روایت کی
من ان ھذا الکتاب	صحت ثابت کروں جو عام
عرض علی الحجۃ علیہ السلام	طور سے مشہور ہے کہ یہ کتاب
فقال ان ھذا کاف لشیعتنا	حضرت حجت کی خدمت میں
فانہ لا اصل لہ ولا اثر	پیش ہوئی اور حضرت نے
فی مولفات اصحابنا	فرمایا کہ "یہ کافی ہے ہمارے
بل صرح بعدمہ المحدث	شیعوں کے لیے" کیونکہ یہ
الاسترابادی لذی	روایت بالکل بے اصل ہے
رام ان یجعل تمام احادیثہ	اور اس کا نام و نشان بھی
قطعیۃ لما عندہ	ہمارے کتب امامیہ میں نہیں
من القرائن اللتی	ہے بلکہ محدث استرآبادی نے
لا تنھض لذلک ومع	بھی کہ جو کافی کی تمام احادیث کو

ذلک صرّح بانّہ لا اصل لہٗ۔

بعض غیر مستند قرائن کی بنا پر قطعی ثابت کرنے میں کوشاں ہیں انھوں نے بھی اس روایت کے متعلق لکھ دیا ہے کہ اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس بنا پر ہم کافی کی حدیث بھی آنکھ بند کر کے قبول نہیں کر لیتے ہیں بلکہ استنباط و اجتہاد کے موقع پر کافی کی حدیث کی اوسی طرح جانچ کرتے ہیں جس طرح دوسرے کتب حدیث کی۔

اُن کا دیباچہ میں یہ لکھ دینا کہ میں اخبار صحیح جمع کرونگا اسکے معنی صرف اتنے ہوتے ہیں کہ اون کی نظر میں جو روایات درج کیے ہیں وہ معتبر اور قابل اطمینان تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارے لیے بھی اسی درجہ معتبر ہوں۔ اس لیے کہ ہم سوائے معصوم کے کسی رائے کو اپنے لیے بالکل حجت اور ناقابل شک و شبہہ نہیں سمجھتے۔ بے شک کافی کی حدیث میں ہم کو اضطراب سند و متن وغیرہ کی دشواریوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا اس لیے کہ اوس میں نقل احادیث کے سلسلہ میں انتہائی ضبط سے کام لیا گیا ہے اور یہی خصوصیت وہ ہے جس نے اوس کو دوسرے تمام جوامع حدیث میں ممتاز درجہ عطا کر دیا ہے۔

دوسرے بزرگ جنھوں نے اس خدمت کو انجام دیا شیخ صدوق محمد ابن علی ابن بابویہ قمی تھے جنھوں نے کتاب من لایحضرہ الفقیہ تالیف کی۔ اسمیں انھوں نے دیباچہ میں ضرور تحریر کیا ہے کہ میں اس میں وہی روایات درج کرونگا جن کے مطابق میں فتوی دیتا ہوں اور اپنے اور خدا کے درمیان اُن کو حجت سمجھتا ہوں لیکن جہاں تک دیکھا گیا ہے وہ پورے طور سے اسپر قائم نہیں رہے ہیں۔ انھوں نے ایسی روایتیں بھی درج کر دی ہیں جنکی انھیں خود رد کرنا پڑی ہے انھوں نے پوری سندیں بھی نقل نہیں کیں بلکہ صرف آخری راوی کا نام لکھ دیتے ہیں جس نے امام سے روایت کی ہے پھر ختم کتاب کے بعد انھوں نے ایک فہرست اپنے مشائخ کی لکھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس راوی کی طرف اُن کا طریق کیا ہے۔ اسلیے انسان کو کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے ساتھ اُس فہرست مشیخہ من لایحضرہ پر نظر رکھنا ضروری ہے اور ہر روایت کی جانچ کے موقع پر اُس پر نظر ڈالنا لازمی۔

یہ ایک بڑی سر مغزی کا کام ہے جس سے دشواری پیدا ہو گئی ہے نیز اس میں روایات کے بیان کے سلسلہ میں کہیں کہیں تفسیری شرح ایسی آ گئی ہے جس کے متعلق دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہ امام کا کلام تو نہیں ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر یہ کتاب استناد و اعتبار اور حُسن ترتیب تالیف میں موخر ہونے کے باوجود کافی کی ہم پلہ تسلیم نہیں کی گئی۔

maablib.org

پانچویں صدی ہجری میں شیخ الطائفہ محمد ابن الحسن الطوسی نے کتاب تہذیب اور کتاب استبصار تصنیف کی۔ تہذیب کی ترتیب اور اُس کا طرز تدوین واقعی بہت اچھا ہے مگر سند اُتنی ضبط کے ساتھ اُس میں نہیں ہے جس طرح کافی میں ہے۔ اس میں کہیں تو کافی کی طرح پوری سند نقل کی ہے اور کہیں من لا یحضرہ الفقیہ کی تقلید کی گئی ہے اور پھر مشیخہ کی فہرست بھی جو آخر میں دی گئی ہے مکمل نہیں ہے اِس لیے اکثر انسان کو تعیین سند میں غور و خوض اور قرائن و ظنون سے کام لینا پڑتا ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ انسان کے لیے کافی اور تہذیب دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ایک کی ضرورت دوسرے سے پوری نہیں ہوتی۔ کافی میں حدیثیں فقہ اور غیر فقہ دونوں شعبوں کے متعلق ہیں لہٰذا وہ تہذیب سے زیادہ جامع ہے اور تہذیب میں فقہ کی حدیثیں کافی سے زیادہ ہیں اسلیے یہ زیادہ جامع ہے۔

استبصار درحقیقت صرف کتاب جامع احادیث ہی نہیں بلکہ اُس میں متعارض حدیثیں درج کرکے اُن میں جمع، ترجیح، تاویل کے فرائض انجام دیے گئے ہیں جو خالص ایک فقیہ اور مجتہد کا فرض ہے۔

یہی چاروں کتابیں وہ ہیں جو کتب اربعہ کے نام سے یاد کی جاتی ہیں
کافی کی حدیثوں کی تعداد سولہ ہزار ننانوے (۱۶۰۹۹) اور من لا یحضر کی

حدیثیں نو ہزار چوالیس (۹۰۴۴) اور تہذیب تین سو ترانوے ۳۹۳ بابوں پر مشتمل ہے جس میں تیرہ ہزار پانچسو نوے (۱۳۵۹۰) حدیثیں اور استبصار میں نو سو بیس ۹۲۰ باب جن میں پانچ ہزار پانچسو گیارہ (۵۵۱۱) حدیثیں ہیں۔

الاسماء تنزل من السماء یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام مصنفین جوامع کا نام محمد اور کنیت ابوجعفر تھی۔

مصنف کافی ابوجعفر محمد ابن یعقوب کلینیؒ مصنف من لا یحضر ابوجعفر محمد ابن علی ابن بابویہ قمی مصنف تہذیب و استبصار ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی تھے۔ اسی وجہ سے علماء اجازات جب ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو فرماتے ہیں الکتب الاربعۃ لابی جعفر ین المحمد بن الثلثۃ المتقدمین اور اس حسن اتفاق میں اضافہ یہ ہے کہ متاخرین میں سے بھی وہ حضرات جنھوں نے مشہور جوامع حدیث کی تصنیف کی اُنکا بھی نام محمد تھا جن کا تذکرہ ابھی آئیگا۔

شیخ صدوق کے علاوہ من لا یحضر کے ۲۹۹ اور تصانیف خاص علم حدیث میں تھے جن میں سے ثواب الاعمال۔ عقاب الاعمال۔ مدینۃ العلم وغیرہ وغیرہ مشہور کتابیں ہیں جو متاخرین علما کا مستند رہی ہیں لیکن کوئی اُن میں سے وسعت و جامعیت کے اعتبار سے من لا یحضر کے درجہ تک نہ تھی۔

جس قدر رسالت مآبؐ اور ائمہ کا دور قریب تھا تحقیق کے ذرایع زیادہ اور وثوق و اطمینان کے اسباب فراواں تھے سابق زمانہ کے لوگوں کے لیے اکثر احادیث ایسے قرائن کے ساتھ مقرون ہوتے تھے جن کی وجہ سے اگرچہ راوی خبر کے ضعیف ہوں لیکن انھیں اصل خبر کے متعلق وثوق و اطمینان ہوتا تھا اور اس اعتبار سے وہ اُس کو صحیح کہتے تھے۔ اکثر اخبار اُن کے لیے قطعی یا موثوق بالصدور تھے جس میں اُن کو راویوں کی طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ بہت پہلے کے قدمار کا کیا ذکر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تک جو چوتھی صدی کے اواخر میں تھے اخبار احاد پر عمل کی اجازت نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ متواتر حدیثیں اتنی موجود ہیں جو تمام مسائل شرعیہ میں کافی ہو سکتی ہیں اور اُن کے بعد احاد پر عمل کی ضرورت ہی نہیں ہے شیخ الطائفہ محمد ابن حسن طوسی جو اُن کے شاگرد تھے متواتر ہونے کے تو قائل نہیں مگر اتنا ضرور فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں جو مشہور و مستند کتابوں میں موجود ہیں اُن کے متعلق قرائن کے ذریعہ سے ہمیں صحت کا علم قطعی ہے ان حضرات کی دیکھا دیکھی ابن ادریس حلی تک جو ساتویں صدی ہجری میں تھے کہنے لگے کہ متواتر ہی پر عمل ہونا چاہیے آحاد کی ضرورت نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کے امتداد کے ساتھ جتنا جتنا عصر معصوم کو بعد ہوتا جاتا دشواریاں زیادہ پیدا ہوتی جاتی ہیں اس لیے جو چیز بزرگ قدمار کے لیے مقطوع

تھیں وہ متاخرین کے لیے مظنون اور جو اُن کے لیے مظنون تھیں وہ ان کے لیے موہوم بن گئیں۔

صدیوں کے حائل ہو جانے سے خارجی قرائن یک لخت غائب ہو گئے اور وہ وثوق بالصدور یا اطمینان جو قرائن کی بنا پر سابق کے لوگوں کو تھا رخصت ہوا۔ اب تبھی ہم ہیں اور سند اور اوس کے رواۃ کا استناد داعتبار۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ساتویں صدی ہجری میں صحیح حسن۔ موثق ضعیف کی اصطلاح قرار دی گئی اور رواۃ کی جرح و تعدیل کی بنیاد پڑی، اکثر علماء کی تحریر کے مطابق اس اصطلاح کی بنیاد علّامہ حلی کی ڈالی ہوئی ہے۔ محدث استرآبادی نے فوائد مدنیہ میں اسے مشکوک صورت سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں علّامہ حلی یا کوئی اُنکا ہمعصر۔

ہمارے شیخ الحدیث خاتمۃ المحدثین مولانا سید حسن صدر نے تحریر فرمایا ہے کہ اس تقسیم کے موجد سید جمال الدین احمد بن طاؤس ہیں جنھوں نے سنہ ۶۷۳ھ میں وفات پائی۔

اب روایات کی جانچ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیخ حسن ابن زین الدین شہید ثانی رح مصنف معالم نے کتاب منتقی الجمان فی الاحادیث الصحاح والحسان تحریر کی۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب عام طور سے دستیاب نہیں ہوتی اور ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اب متاخرین کا دور آگیا تھا۔ گیارھویں صدی

یں محمد ابن مرتضیٰ مشہور بہ ملا محسن فیض کاشانی نے جمع بین الصحاح کے طور پر کافی
فقیہ، تہذیب۔ استبصار چاروں کتابوں کے احادیث کا مجموعہ وافی کے
نام سے تحریر کیا جس میں مشکل احادیث کا بیان یعنی حل بھی اپنے مخصوص مسلک
اور مذاق کے مطابق تحریر کیا ہے۔ موصوف کا مسلک اصول عقائد میں
تصوف و عرفان کی طرف مائل اور فقہ میں اخباریت کی طرف راجع تھا۔

مجدد مذہب شیعہ ملا محمد باقر مجلسی رح نے انتہائی کد و کاوش اور وسعت
نظر و تتبع کے ساتھ کتاب "بحار الانوار" ۲۶ جلدوں میں جمع کی جس میں کتب اربعہ
کے علاوہ سیکڑوں کتابوں سے ہر شعبہ کے متعلق احادیث کو جمع کیا۔ اس میں
شبہ نہیں کہ وسعت و جامعیت کے اعتبار سے بڑا کام کیا اور ایک متجسس متخصص
کو تمام روایات کسی مبحث کے ایک ہی مقام پر دستیاب ہو جاتے ہیں لیکن
یہ ماننا ناگزیر ہے کہ موصوف نے نقل احادیث میں احتیاط سے کام نہیں
لیا ہے اور اسی لیے بحار میں غث و سمین سب کچھ نظر آتا ہے اور مراسیل
کی بھرمار ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس کے لیے قدماء اصحاب نے اصول اربعمائۃ کا
انتخاب اور محدثین قدماء نے کتب اربعہ کی تدوین کی تھی تاکہ غیر مستند روایات
کا ذخیرہ ہمارے احادیث میں مخلوط نہ ہونے پائے۔ اس جامعیت کتاب
کی فکر نے اس مقصد کو نظر انداز کر کے نقد و بحث کی گنجائش پیدا کر دی۔

اسی زمانہ میں شیخ محمد ابن الحسن الحر العاملی نے صرف فقہ کے متعلق احادیث

کو علاوہ کتب اربعہ کے دوسرے اصول اور کتب سے تلاش کر کے انتہائی جستجو
کے ساتھ کتاب "وسائل الشیعہ" تصنیف کی جو بے شک بہترین جامع احادیث
کتاب ہے۔ اس کتاب نے ایک فقیہ متجسس احادیث کو کتب اربعہ اور ان تمام
کتابوں سے جو اس سلسلہ میں قابل توجہ تھیں مستغنی کر دیا اور پھر لطف یہ کہ سند
پوری درج کر دی گئی ہے اور مکمل حوالہ منقول عنہ کا موجود ہے لیکن "بے عیب
ذات خدا کی" اس میں ایک ایسی بات ہو گئی جس سے احتیاج اصل ماخذ
کے دیکھنے کی پھر بھی باقی رہی وہ یہ ہے کہ موصوف نے احادیث کو مناسب
ابواب میں درج کرنے کے لیے تقطیع اخبار کر دی یعنی اگر کوئی حدیث ایسی
ہے جس میں ابتدائی حصہ کتاب النکاح سے متعلق ہے۔ وسطی کتاب
الطلاق سے، آخری مثلاً کتاب الظہار سے تو وہ اس روایت میں تین ٹکڑے
کر دیتے ہیں پہلا ٹکڑا پہلی کتاب میں، دوسرا دوسری کتاب میں اور تیسرا تیسری
کتاب میں۔ اس میں ظاہر میں کوئی نقصان تو نہیں معلوم ہوتا لیکن "حقیقتہً"
جسے حدیث کے معنی سمجھنا اور اس سے کوئی نتیجہ نکالنا ہوتا ہے وہ اسکی
خرابی کو محسوس کرتا ہے۔ اس کا ایک اثر تو سند کے اوپر پڑا کہیں روایت
میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

مضمرہ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں امام کا نام نہ ہو جن سے حدیث
منقول ہے بلکہ عنہ کی لفظ ہو۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ حدیث طولانی تھی شروع

یں امام کا نام موجود تھا لیکن درمیان میں پھر ضمیریں مذکور تھیں۔ تقطیع
ہوئی تو پہلا ٹکڑا جہاں گیا وہاں تو نام موجود ہے۔ لیکن بعد کے ٹکڑے
جہاں جہاں گئے وہاں اضمار پیدا ہو گیا۔

اسکے علاوہ یہ کہ اکثر مطالب اجزائے حدیث کے آپس میں
دست و گریبان ہوتے ہیں۔ وہ ٹکڑے جو مصنف وسائل نے باہم
غیر متعلق خیال کیے ہیں یہ ضروری نہیں کہ غیر متعلق ہی ہوں۔ وہ عالم متبحر
سہی لیکن معصوم نہیں تھے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معنی میں خرابی
پڑتی ہے اور خلط مبحث ہو جاتا ہے۔

بہت بڑی خدمت ہوتی اگر کوئی شخص وسائل کی حدیثوں کا اصل
کتب منقول عنہا سے مقابلہ کر کے مواضع تقطیع کو معین کر دیتا اور متفرق
حدیثوں کے ٹکڑوں کا پتہ لگا کر یکجا کر دیتا تو پھر یہ کتاب وسائل ایک ایسا
ذخیرہ حدیث تھا جس کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب حدیث کی ضرورت
نہیں ہے۔ وسائل میں تمام ابواب فقہ کے متعلق ایسا ذخیرہ جمع کر دیا ہے
کہ ہمیں جستجو کے بعد بھی اس سے زیادہ دستیاب نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس چودھویں
صدی کے اوائل میں مشہور محدث میرزا حسین نوریؒ نے مستدرک الوسائل
کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں ایک مجموعہ احادیث تصنیف فرمایا جو ان کا
سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن فائدہ کے اعتبار سے اس سے

کوئی خاص اہمیت دیے جانے کا استحقاق نہیں حاصل ہوا اسلیے کہ ایک تو جن کتابوں سے فاضل نوری نے اس کتاب کی تدوین کی وہ استناد و اعتبار میں کسی طرح صاحب وسائل کی منقول عنہا کتابوں کے مقابل نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابوں کے متعلق علمار کی طرف سے قدح موجود ہے اور اون کے رواۃ بھی مجروح ہو چکے ہیں اور محدث نوری کو اون کے استناد پر بحث کے سلسلہ میں صفحے کے صفحے سیاہ کرنا پڑے ہیں۔ بعد کو چاہے ان کی تعدیل ثابت بھی ہو لیکن یقیناً اس اختلاف و بحث سے اُن کتب کی متفق علیہ حیثیت باقی نہیں رہتی اور یہ اُن کی ایک حد تک کمزوری کی دلیل ضرور ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس مستدرک میں جو کچھ ہوا ہے وہ صرف اتنا کہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق صاحب وسائل نے دو حدیثیں مثلاً نقل کی تھیں صاحب مستدرک نے دو اور نقل کر دیں لیکن نفس مسائل اور فروع فقہیہ کے متعلق وہ کچھ اضافہ کر سکے ہوں یعنی کچھ ایسے احادیث نقل کر سکے ہوں جن کے مندرجہ مضامین و احکام وسائل کی مندرجہ احادیث کے احکام سے کچھ زائد ہوں ایسا نہیں ہے۔

اس لیے مستدرک اپنے مصنف کے تتبع اور وسعت اطلاع کی دلیل بن سکتی ہے اور اُسکے مصنف کی جفاکشی و محنت کی داد بھی دی جا سکتی ہے لیکن کسی مجتہد کو استنباط کے وقت وسائل کے دیکھنے کے بعد مستدرک کو

نکال کر مطالعہ کرنے کی ضرورت پڑے؟ ایسا نہیں ہے۔

یہ جوامع حدیث وہ ہیں جن کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی اس آخری چند صدی کے دور میں بعض کتابیں تالیف ہوئی ہیں۔ جن کا پتہ جناب سید حسن صدر دام ظلہ کی کتاب "الشیعہ وفنون الاسلام" میں موجود ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب عوالم ہے جو علامہ مجلسیؒ کے ہمعصر ملا عبداللہ ابن نوراللہ بحرانی کی تالیف تھی، اُس کا صرف وہ حصہ جو واقعات کربلا سے تعلق رکھتا ہے "مقتل عوالم" کے نام سے شایع ذایع ہے لیکن حقیقت میں یہ کتاب سو جلدوں پر مشتمل تھی جن کا مجھے تو پتہ نہیں معلوم کہ کہاں ہیں، شیخ قاسم ابن محمد بن جواد معروف بابن وندی فقیہ کاظمی جو صاحب وسائل کے ہمعصر تھے اونھوں نے شرح الاستبصار فی احادیث الائمۃ الاطہار تصنیف کی جو متعدد مجلدات پر مشتمل تھی اور اسی طرح شیخ عبداللطیف ابن علی بن احمد بن ابی جامع حارثی عاملی کی کتاب جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار متعدد جلدوں میں ہیں اور شیخ محمد رضا ابن شیخ عبداللطیف تبریزی کی کتاب شفا فی حدیث آل المصطفےٰ" اور سید عبداللہ ابن سید محمد رضا شبر کاظمی کی کتاب جامع الاحکام جو ۲۵ جلدوں میں ہے اور علامہ مجلسیؒ کی بحار کے بعد جس سے زیادہ مبسوط تصنیف تحریر نہیں ہوئی ہے۔ کتاب کافی کی شرحیں بہت سے علماء نے لکھیں جن میں سے ملا صالح مازندرانی اور میرزا خلیل قزوینی

کی دونوں شرحیں اور علامہ مجلسی کی مرآۃ العقول خاص شہرت کی مالک ہیں۔

صدر المتالہین شیرازی نے بھی ایک شرح کافی کی لکھی تھی مگر وہ اُن کے خالص فلسفیانہ مذاق پر تھی جس کو علم حدیث کی بارگاہ میں کوئی قبولیت حاصل نہ ہو سکی من لا یحضرہ الفقیہ کی شرح ملا محمد تقی مجلسی نے لکھی جسے کوئی خاص علمی اہمیت حاصل نہیں ہے تہذیب کی شرح سید نعمت اللہ جزائری نے لکھی جو مبسوط اور کثیر الفوائد ہے۔

موجودہ زمانہ میں آیۃ اللہ سید حسن صدر دام ظلہ جن سے بڑھ کر اس فن کا غواص اب کوئی موجود نہیں ہے انھوں نے وسائل کی شرح اس انداز پر لکھنا شروع کی جس کی نظیر اس کے قبل نایاب ہے ہر حدیث کو لکھ کر السند، المتن، اللغۃ، المعنی کے عناوین قائم کر کے ہر روایت کے رجال، درایت لفظ، معنی تمام جہات کی فیصلہ کن شرح لکھتے اور یکسوئی کے ساتھ مختتم نتیجہ حاصل کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا سلسلہ اُس وقت شروع ہوا جب موصوف کے قوائے عمل جواب دے چکے ہیں اسّی برس کی عمر میں اتنی بڑی خدمت کہاں انجام پا سکتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۳ جلدیں صرف کتاب الطہارۃ کی شرح میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں اور اُس کے بعد انتہائی ضعف پیری اور امراض و عوارض سے تصنیف کا سلسلہ قطع ہو گیا اور اتمام ممکن نہ ہوا بہرحال ممدوح نے سنگ بنیاد قائم کر دیا ہے،

اور کوئی خدا کا بندہ خدا کی توفیق شامل حال ہو تو اس کی تکمیل کر دے، کوئی تعجب نہیں ہے۔

یہ وہ خدمات تھے جو براہ راست علم حدیث کے سلسلہ میں کیے گئے۔
متعلقات حدیث میں علم درایت و رجال ہے۔ درایت میں سب سے پہلی تصنیف تو ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی ہے جنھوں نے "معرفۃ علوم الحدیث" کے نام سے ۵ حصوں میں کتاب تصنیف کی۔ ان کے بعد علمائے شیعہ میں سے سید جمال الدین ابو الفضائل احمد ابن طاؤس ہیں جنھوں نے بقول آقا سید حسن صدر صحیح، حسن، موثق، ضعیف کی اصطلاح قائم کی۔

علامہ حلی کے شاگرد سید علی ابن عبد الحمید حسنی نے شرح اصول درایۃ الحدیث تصنیف کی اور شہید ثانی نے کتاب الدرایہ شیخ حسین بن عبد الصمد حارثی والد شیخ بہائی نے وصول الاخیار الی اصول الاخبار اور شیخ بہاء الدین عاملی نے وجیزہ تحریر کیا۔ آخر الذکر کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ متعدد علماء نے اوس کی شرح تصنیف کی، ہمارے ہندوستان ہی میں تاج العلما سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ نے اوس کی تین شرحیں لکھیں ایک مختصر دوسری متوسط "جواہر عزیزہ فی شرح الوجیزہ" تیسری بڑی مبسوط "سلسلۃ الذہب" مولانا امجد حسین صاحب الہ آبادی اعلی اللہ مقامہ نے صفائح الابریزہ فی شرح الوجیزہ بھی اچھی شرح لکھی ہے اور خاتمۃ المحدثین آقا سید حسن صدر دام ظلہ نے کتاب نہایۃ الدرایۃ

تحریر فرمائی جو مبسوط اور نہایت کثیر الفوائد ہے۔

علم رجال میں سب سے پہلے مصنف ابو عبداللہ ابن محمد بن خالد برقی ہیں۔ یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے دوسری صدی ہجری میں تھے ان کی کتاب رجال کا تذکرہ ابن ندیم نے فہرست میں کیا ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ اون کی کتاب رجال اس وقت تک موجود ہے۔ ابو جعفر لقوبلینی جو امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے انھوں نے رجال میں کتاب لکھی اور اُس کا بھی تذکرہ فہرست نجاشی اور فہرست ابن ندیم میں موجود ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن جبلہ بن حیان بن ابجر کنانی نے کتاب رجال تالیف کی۔

چوتھی صدی ہجری میں شیخ ابو الحسن محمد بن احمد بن داؤد قمی نے کتاب الممدوحین والمذمومین من الرواۃ لکھی اور شیخ صدوق محمد ابن علی بن بابویہ قمی نے کتاب معرفۃ الرجال اور کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخ ابو بکر جعابی نے کتاب الشیعہ من اصحاب الحدیث وطبقاتہم۔ یہ معروف ومشہور تصانیف تھے لیکن ان تمام کتابوں میں جو اسکے بعد سے ابتک تصنیف ہوئیں جن کتابوں نے بقا دوام کی سند حاصل کی وہ رجال ابو عمرو کشی اور فہرست مصنفی الشیعہ للنجاشی اور شیخ طوسی کی کتاب رجال اور کتاب فہرست اور علامہ حلی کی کتاب خلاصۃ الرجال اور ان سب کا مجموعہ اور نتیجہ منہج المقال مشہور بہ رجال کبیر مرزا محمد استرآبادی ہے جسکے اوپر آقا باقر بہبہانی نے حواشی تحریر کیے اور اصل کتاب

اور ان حواشی کو لے کر شیخ ابو علی حائری نے کتاب منتہی المقال تصنیف کی جس میں اگر اتنا عیب نہ ہوتا کہ مجہولین کو بالکل نظر انداز ہی کر دیا تو بہترین کتاب تھی۔ بہر حال اس میں شبہہ نہیں کہ منتہی المقال کے بعد پھر اُس پایہ کی کوئی کتاب بہت طویل عرصہ تک تصنیف نہیں ہوئی۔

ما مغانی

بے شک اب بالکل قریبی دور میں ہمارے شیخ الحدیث آقا شیخ عبداللہ مامغانی نجفی طاب ثراہ نے ایک مبسوط ترین کتاب رجال میں تصنیف فرمائی ہے جس میں ہر راوی کے متعلق بالکل کتب فقہیہ کے انداز پر نقل اقوال کرتے، ہر ایک کے دلائل ذکر کرتے اور پھر محاکمہ کرتے ہیں اسکی تصنیف میرے سامنے ہی شروع ہوئی اور میرے ہی سامنے ختم ہوئی اور میرے ہی سامنے چھپنا شروع ہوئی اور اب وہ مکمل تین جلدوں میں طبع ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب علم رجال کی تمام دوسری کتابوں سے مستغنی کر دینے والی ہے

....

....

علم حدیث کے متعلق دو کام ابھی کرنے کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ موجودہ تمام جوامع حدیث میں سے جن میں میرے خیال میں وافی و وسائل بالکل کافی ہیں ہر حیثیت سے جو قابل احتجاج و استناد احادیث ہیں انکا انتخاب کر کے مجتمع کر دیا جائے جس کے روایات بالکل مستند اور معتبر اور معمول بہ حیثیت رکھتے ہوں۔

دوسرے مالا یحتج بہ من الاخبار کے ایسے نام سے ایسے روایات جن سے تمسک کرنا درست نہیں ہے بیان وجہ ضعف و عدم استناد کے ساتھ تحریر کر دیے جائیں۔

اگر یہ دونوں کام ہو جائیں تو بہت ایسی غلطیاں جو بے محل روایات کے پیش کرنے سے پیدا ہوتی ہیں اُن کا سدباب ہو جائے گا۔

تیسرا کام اور ہے جو تدوین حدیث سے خاص متعلق کام نہیں ہے لیکن ایک حیثیت سے تعلق رکھتا ہے اور وہ فقہ الحدیث کی تصنیف ہے جسمیں مشکلات معانی احادیث کا صحیح حل مکمل صورت سے تحریر کیا گیا ہو ان کاموں کے لیے بڑی توفیق الٰہی کی ضرورت ہے اور جس کے یہ توفیق شامل حال ہو گی اس کے ہاتھ سر انجام پائیں گے۔ والسّلام

علی نقی النقوی عفی عنہ

۱۵ر شوال سنہ ۱۳۵۳ھ

maablib.org